ڈاکٹر رشید الوحیدی جامعہ ملیہ نئی دہلی

طلبۂ عزیز کے لئے لمحۂ فکریہ

تکلفات سے دور، سادگی کے ساتھ مسجدوں اور مدرسوں کے حجروں میں رہنے والے، علم دین کے طلبہ پوری توجہ سے علوم دینیہ کے حصول میں منہمک رہتے تھے ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا تھا۔ اپنی درسی کتابوں کا مطالعہ، اور اس میں اس حد تک کمال پیدا کر لینا کہ موضوع سے متعلق اصول و فروع سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ اور پھر ان حکمتوں کو پوری طرح اخذ کر لیں جو ان کتابوں کی عبارت اور متن میں پوشیدہ تھیں۔ اس طرح قرآن، حدیث، فقہ، اصول اور دینی علوم کی جملہ شاخوں میں انہیں پورا پورا عبور حاصل ہو جائے۔

عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ اس طرح صرف کر کے جب یہ طلبہ فارغ ہوتے تھے تو ان کے دماغ علم کے خزانوں سے ان کا قلب خشیت الٰہی سے معمور و منور ہوتا تھا۔ وہ اقلیم علم کے بے تاج بادشاہ ہوتے تھے ان کو اپنے اندر کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا وہ اپنی علمی میراث پر مطمئن ہوتے تھے اپنے سیدھے اور سادے رہن سہن کے مقابلے میں کسی اور طرز معاشرت سے مرعوبیت کا انہیں احساس تک نہ ہوتا تھا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب انگریزوں کے تسلط سے قبل برصغیر میں شاہان مملکت اور والیان ریاست و امراء علوم کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اور اس کے بعد اس عہد کا بھی یہی حال تھا جب انگریزوں کے آنے کے بعد اکابرین مخلصین نے اپنے خلوص اور عمل سے (بقاء اسلام و تحفظ علم کے لئے، یعنی ان مدرسوں کے) طلبہ میں دینی حمیت و احساس کا چراغ روشن کر دیا تھا۔ جو برسہا برس چلتا رہا۔ پھر یکایک کایا پلٹ گئی۔ ایسا ہوا کہ ایک طرف تو دینی مدرسوں میں داخل ہونے والے طلبہ کے دلوں سے دینی تعلیم کی اہمیت ختم ہو گئی۔ وہ داخلے لے کر وقت تو گذارتے رہے۔ پڑھتے بھی رہے مگر ایمانداری کے ساتھ مطالعے اور انہماک کی وہ قدیم روش رخصت ہو چکی تھی۔ جو کچھ وہ پڑھ رہے تھے اس کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت ان کے قلوب میں نہیں تھی۔ اِلّا ماشاء اللہ، مستثنیات کو چھوڑ کر عمومی حال یہی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب، کا سمجھنا تو الگ رہا کتابوں کی عبارت تک پڑھنا اور اس کا سمجھنا مشکل ہو گیا۔ اسی حالت میں وقت گذرتا رہا تعلیم و مدرسے کی مدت پوری کرنے کے بعد جب ان بے چاروں نے اپنا جائزہ لیا تو دل و دماغ علم سے خالی تھا۔ یعنی اس علمی سفر کا اختتام اس طرح سے ہوا کہ منزل پر خالی ہاتھ کھڑے تھے۔ اور اب ایک احساس محرومی اور احساس کمتری

دامنگیر تھا۔ محرومی کے احساس کا علاج تو اب ممکن نہ تھا۔ کہ عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ نکل چکا تھا۔ ہاں احساس کمتری سے چھٹکارا پانے کے لئے انہوں نے کشاں کشاں یونیورسٹیوں اور کالجوں کا رخ کیا۔

خیر! بات اچھی تھی، اب جہاں وہ آئے تھے وہ بھی بہرحال علم کا ایک بازار تھا۔ اگرچہ اس بازار کی جنس اس سے مختلف تھی جسے وہ چھوڑ کر یا طے کر کے آئے تھے۔

افسوس تو یہ ہے کہ یہاں وہ ایک دوسری قسم کے ادبار و ہلاکت کی نذر ہو گئے۔ یہ دردناک تفصیل بھی سننے کے قابل ہے۔

شروع ہی سے مدرسوں کے ماحول سے مرعوب و متاثر بھی تھے اور یہاں آنے کا ایک حریصانہ شوق دلوں میں چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔

علم کی اس نئی بزم کا مزاج اور ماحول کچھ اس قسم کا ہے کہ بظاہر یہاں قدم قدم پر دامنِ دل کھینچنے والے نظارے، تفریح طبع کے لئے نئے نئے مناظر ہیں۔ ہر قسم کی آزادی ہے۔ مدرسوں کے ماحول میں جن جن گوشوں سے بچ بچ کر چلنا سکھایا گیا تھا۔ وہ یہاں ایک عام بات ہے۔ مدرسے میں جن چیزوں پہ پابندی تھی وہ یہاں تفریح ہے۔

مدرسے سے آنے والے طلبہ بہرحال جوان ہیں۔ اب تک ایک مخصوص اقدار و اطوار کی پابندیوں میں شب و روز گذار رہے تھے۔ اچانک انہیں آزادی کی فضا نصیب ہوئی۔ تو آہستہ آہستہ پر پرزے نکلنے لگے۔ بظاہر کوئی روکنے والا نہیں۔ اندر کی فضا اس قسم کی ہے کہ کبھی احساس ہوا بھی تو اسے دبا دیا۔ اپنے مقصد کو بھول گئے اور اب تک کی جکڑ بندیوں کا سارا کفارہ ادا کرنے لگے۔ ہائے افسوس! مدرسے میں غفلت کے نتیجے میں جو محرومی ہاتھ آئی تھی اس سے بھی سبق نہ لیا۔ یہاں عقیدے کی آزادی، فکر و نظر کی آزادی، معاشرت، رہن سہن، نشست و برخواست کی آزادی، یہاں کی راہ و رسم، تفریح اور طالب علمی کے مشاغل مدرسوں سے قطعی مختلف، بالکل جدا، اس موقع پر خیال آتا ہے، حسرت ہوتی ہے، اگر مدرسوں کے روحانی نغمے اور سرمدی لے سے ان کے دل و دماغ کی سرشاری، اور وہاں کے نصاب سے ان کے فکر و شعور کو استقامت و پختگی ملی ہوتی، اور اے کاش، اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی صحبت سے، اچھے برے میں تمیز کرنے کا سلیقہ ہی سیکھ لیا ہوتا۔ تو وہ اس نئی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد، یہاں کے ماحول، آزادی اور زندگی کی اس تبدیلی پر ایک منٹ رک کر ٹھٹھک کر غور کرنے اور پھر ہر "ماکدر" سے بچتے ہوئے "ماصفا" کو حاصل کرنے میں لگ جاتے کیونکہ بہرحال اس بظاہر گدلے سمندر کی تہہ میں موتی بھی تھے۔ ان کو حاصل کرنے کے لئے شرط فنکارانہ اور ماہرانہ غواصی کی تھی۔ نہ کہ سطحِ آب پر تیرتے رہنے کی۔ کاش ہمارے طلبہ سنجیدگی سے یہ غواصی شروع کرتے۔ ان یونیورسٹیوں کے نصاب ہی کو غور و فکر سے حاصل کرتے، نئے تقاضوں سے باخبری کے بعد دینی اور اسلامی روایات کی روشنی میں مسائل کے حل کی بات سوچتے۔ داد تحقیق دیتے، تو یہ ایسا کام تھا کہ ملت اس کے احسان و تشکر سے صدیوں عہدہ برآ نہ ہو سکتی۔

اور صحیح معنوں میں "میدان علم" کے یہ مجاہد اپنے اکابر کے سچے وارث و جانشین ہوتے۔ مگر ہوا کیا! مدرسے میں رہتے ہوئے وہ مرعوبیت کی فضا میں گم ہو گئے۔ وہاں کے ہیرے کو کھوٹا سکہ سمجھ کر بے اعتنائی برتی اور اغیار کی ہر چمکدار شے کو سونا سمجھا نتیجہ ظاہر تھا۔ مدرسے کے قیمتی ورثے سے محروم رہ گئے۔ اور اب وہ بصیرت جو اس وقت ان کی دستگیری کرتی، مفقود ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ایسے طلبا خود کو نئے ماحول میں فٹ کرنے اور یہاں کی آزادی سے لطف اندوز ہونے کے لئے عجیب عجیب افسوسناک اور چھچھوری حرکتیں کرتے ہیں۔

سب سے پہلے دبے دبے لفظوں میں اپنے مدرسوں، وہاں کے نصاب اور اساتذہ کی تخفیف، وہی گھسے پٹے فرسودہ، ریمارک۔ "ارے بھائی! ہمارے مدرسے کا ماحول پرانا اور اساتذہ بڑے متشدد، دقیانوسی اور پرانے خیالات کے ہیں"۔ کبھی دونوں اداروں کے نصاب کا مقابلہ، پھر مقابلے میں مدرسے کے نصاب کی بے وقعتی۔ انہیں اتنی بھی تمیز نہیں رہتی کہ اپنی جگہ وہ نصاب بھی قیمتی اور اہم ہے، اور یہ نصاب بھی فائدے سے خالی نہیں ہے دونوں کا مقابلہ کیا) اور جناب آپ وہاں کے نصاب کے فیض سے تو محروم رہ گئے۔ یہیں بتا رہے ہیں کہ یہاں کے نصاب کا بھی اللہ ہی مالک ہے۔ آگے چلئے عقیدے اور احکام و مسائل میں گفتگو۔ علم تو خام ہے۔ چنانچہ ایسی بحث اور موشگافیاں کہ بعض اوقات عقیدے کی بنیاد ہی منہدم ہو چلی اور انہیں کچھ پتہ نہیں۔

معاشرتی تبدیلی کا حال اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ سب سے پہلے شرافت و وقار کی نشانی "ٹوپی" پر مصیبت آئی، انگریزی بال۔ عمدہ کٹنگ، کنگھے سے آراستہ بالوں پر ٹوپی بھلا کیا اچھی لگے گی۔ چلئے صاحب کالج میں مولانا صاحب ننگے سر گھومنے لگے۔ پھر داڑھی بے چاری جو ڈبکی سہمی پڑی ہوئی تھی وہ "ماڈرن ازم" اور اسمارٹ بننے میں ایک بڑی رکاوٹ نظر آئی۔ ایک دن ہلکی ہوئی۔ دوسرے دن صاف۔ اور اب ہر روز مولانا صاحب صبح صبح منہ پر صابن کے جھاگ کا لیپ کرکے بلیڈ سے کھال کھرچتے ہوئے بزعم خویش سرشار و مطمئن نظر آتے ہیں۔ کہ:۔

"میں نے فرسودہ روایات کو لات ماردی۔ اب میں بڑی ترقی یافتہ، وسیع النظر اور بیدار ذہن ہو گیا ہوں۔ دنیا کے INTELUCTUAL اور دانشوروں میں میرا بھی شمار ہونے لگے گا"

ہائے بیچارے کے اعصاب پہ "فیشن" ہے سوار"

اور اس کے بعد دوسرے لوازمات، پکچر، کلچرل، پروگرام، پکنک، غرض کہ لان، اسٹرک، کنٹین، بسوں اور بازاروں میں خفیف حرکتوں سے عالمانہ، بلکہ شریفانہ وقار کے لاشہ بے گور و کفن پر نفرت و تضحیک وہ کوڑے برسائے کہ رہے نام اللہ کا۔ خلاصہ یہ کہ ہر ہر موافع پر اپنی "مولویت" اور "فاضل" ہونے کا الزام کھرچ کھرچ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ساتھی خصوصاً قریبی دوست، دقیانوسیت، ملائیت اور "لکیر کے فقیر" ہونے کا الزام نہ دے دیں۔

آپ سوچیں گے، رہن سہن، تفریح وغیرہ میں آزادی اور تبدیلی بھی کوئی قابل گرفت چیز ہے جس کا اتنا طومار

باندھ دیا، بے شک تسلیم اس اعتراض میں، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ مگر مسئلے کو اس انداز سے سوچیے کہ ایک انسان جس نے اپنی قیمتی زندگی کے کتنے ماہ و سال اپنی غفلت کے نذر کر دئے اور اب وہ اس کی تلافی کرنے کے لئے پھر سے ایک نیا قدم اٹھا رہا ہے۔ اور اب بھی وہ بجائے اپنے اصل مقصد اور کام کی طرف سنجیدگی سے توجہ دینے کے پھر بھٹک گیا ہے۔ اس صورت حال میں اس کی یہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں کہیں پھر نہ اُسے ندامت و پشیمانی کے گڑھے میں ڈال دیں۔ یہ مفروضہ اور امکان نہیں ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ ایک جگہ یہ غریب مرعوبیت اور غفلت میں مارا گیا۔ اب جو بچا کھچا عمر عزیز کا حصہ ہے ان حماقتوں کی نظر ہو رہا ہے۔

اب ہم اس درد بھری داستان کو سمیٹتے ہوئے عرض کریں گے کہ طلبہ کا تو یہ حال ہے۔ ادھر قدیم و جدید نصاب پر غور کرنے والے، دینی مدارس اور عصری یونیورسٹیوں کو قریب لاکر ایک نیا اور مفید پہلو تلاش کرنے والے، دینی نصاب میں ترمیم و تبدیلی کر کے اسے تقاضوں کے مطابق بنانے والے بے چارے شب و روز اپنا دماغ کھپا رہے ہیں۔ کانفرنسیں اور ورکشاپ کر رہے ہیں۔ تنظیم اور ادارے بنا کر اس موضوع پر سیمینار کر رہے ہیں۔ آخر بات بنے تو کیسے؟

میں نے کسی جگہ مستثنیات کا ذکر کیا ہے۔ جی ہاں، ایسے طلبہ میرے سامنے ہیں۔ دینی اور عصری درسگاہوں میں ایسے لوگوں سے مل چکا ہوں۔ مدرسوں میں ایسے علماء موجود ہیں جو ادارے کی لاج اور دار العلوم کے لئے باعث فخر ہیں علوم دینی میں ان کی تحقیق اور معلومات کا یہ حال ہے کہ جس موضوع پر زبان و قلم کو حرکت دیں، علم و حکمت کا چشمہ ابل پڑے اسی طرح یونیورسٹیوں میں ان سنجیدہ باوقار STODENT سے مل کر دل خوش ہوا۔ جو رہن سہن اور عام زندگی میں نہایت سادہ و مہذب، اور کسی علمی سوسائٹی۔ کلاس یا عام ملاقات میں سائنس، انگریزی ادب، جغرافیہ، اکنامکس جیسے موضوع پر گفتگو کریں وسیع و عمیق مطالعے کا اندازہ ہوتا چلا جائے۔ یہی نہیں عالمی سیاست، سیاسیات حاضرہ، سماجی، مذہبی اخلاقی موضوعات پہ نئی سے نئی معلومات سے ایک نئی روشنی حاصل ہو جائے۔

اس لئے ضرورت ہے حساس دل، بیدار ضمیر، دیانتداری اور وقت کی ضرورت اور قدر و قیمت کا احساس لے کر ہمارے طلبہ تحصیل علم کا پاکیزہ فرض ادا کریں ہر دو نصاب کا حق ادا کریں اور پھر اس طرح نکھر کر سامنے آئیں کہ اسلام اور انسانیت دونوں کے لئے وجہ افتخار ہوں۔ دونوں کی خدمت ہر دور اور تقاضے کے مطابق انجام دے سکیں۔

ایک ہاتھ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور شریفانہ زندگی کی امانت ہو دوسرے ہاتھ میں وقت کی گتھیوں کو سلجھانے کا ایسا معقول اور مدلل حل ہو جو ہر فکر اور ہر ذہن کے لئے قابل قبول ہو سکے۔ اور میں صاف عرض کر دوں، یہ کام انہی حوصلہ مند نوجوانوں کا ہوگا جن کو ایک طرف علم دین کے تمام گوشوں میں مہارت ہو۔ دوسری طرف نئے علوم اور نئے افکار سے مکمل آگاہی و باخبری ہو۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔